ما قبل اسلام کے عرب افغان تعلقات کا خصوصی مطالعہ

A Fouced Study of Arab-Afghan Relations in the Pre-Islamic Era**Dr. Ibad ur Rehman**

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Agriculture University, Peshawar

Email: Ibad77@gmail.com**Mukhtiar**

M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Agriculture University, Peshawar

Email: mukhtiar_m@hotmail.com**Abstract:**

Afghanistan is considered to be the most ancient Islamic State in South Asia comprising the tribes which make up the majority of Afghan population. History tells us that all Pashtun tribes of the region embraced Islam collectively before any other in the region. Relations with the Arabs and Arabian Peninsula existed even before the advent of Islam and in the time of Talut, the king appointed by Allah as mentioned in the Islamic chronicles. One of his grand son's name was Afghanistan, which the historians connect with Afghan links. During the invasion of Bait al Muqadas by the forces of Bakh Nasar many Jews (Israelites) were either killed or forced to take refuge in Ghor, Ghazni, Qanda'har and Kabul. Later on their progeny moved to Iran or stayed back in Afghanistan. The historian agrees that there were links between Afghan and Arabs even before Islam. In this research paper the Arab-Afghan relationship and the prevailing situation in that region prior to Islam has been portrayed.

Keywords: *Afghan, Arab, Khurasan, History, Relation, Islam***تعارف موضوع:**

مملکت افغانستان قدیم اسلامی ریاست شمار کی جاتی ہے، افغانستان کی اکثریتی آبادی پشتون مسلمانوں پر مشتمل ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس خطے کے پشتون قبیلہ سب کے سب بہ یک وقت مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام سے پہلے ان لوگوں کا مذہب ہی تعلق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ طالوتؑ (جس کا ذکر سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۴۷ میں ہے) نے جب اپنی سلطنت داؤدؑ کو سپرد کردی اور خود اپنے بیٹوں کے ہمراہ جہاد کے لئے نکل رہے تھے، تو اس کی دو بیویاں حاملہ تھیں، ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے، جن میں سے ایک کا نام برخیا اور دوسرے کا نام ارمیا

رکھا گیا، بعد میں برخیا نے اپنے بیٹے کا نام آصف اور آرمیا نے افغنہ رکھا۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو بنی اسرائیل کے بہت سارے مردوں کو قید کیا، جو بچ گئے انہوں نے غور، غزنی، قندھار اور کابل میں جا کر پناہ لی، اس طرح افغنہ کی اولاد ایران اور افغانستان منتقل ہوئے۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اسلام سے پہلے افغانستان اور جزیرہ عرب خصوصاً اہل مکہ کا آپس میں روابط تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی طرف ایسے اشعار منسوب ہیں، جس میں آپ نے کابل کا ذکر کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ افغانستان کی سرزمین پر جب اسلام کی کرنے پڑی تو ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس مقالے میں افغانستان اور عرب کے اسلام سے پہلے حالات اور روابط کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ افغانستان:

افغانستان کا مطلب ہے افغانوں کی سرزمین تاہم لفظ ”افغان“ مؤرخین کے ہاں ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ تاریخ فرشتہ کے مصنف ”محمد قاسم فرشتہ“ لفظ افغان کو ”فغان“ یعنی آہ و فریاد اور غوغا کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہر وقت شور شرابے میں مبتلا رہتے تھے۔^۱

تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی کے مصنف نعت اللہ ہروی لفظ ”افغان“ کا رشتہ قرآن پاک میں مذکور ملک طالت (۲: ۲۴۷) کے پوتے ”افغنہ“ سے جوڑتے ہیں۔ جو اس قوم کے جد امجد تھے۔^۲

تتمة البیان فی تاریخ الأفغان کے مصنف سید جمال الدین افغانی کہتے ہیں کہ اہل ایران ان کو افغان کہتے ہیں اور اس کا نام یہ بتاتے ہیں۔ کہ جب بخت نصر نے ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا تو یہ لوگ آہ و فغان کرتے تھے اور فارسی میں آہ و فریاد کو فغان کہتے ہیں۔^۳

افغان جدید لفظ ہے۔ افغانوں کو فارسی زبان سے اس کا پتہ چلا ہے۔ جبکہ افغانوں کا قومی نام پشتون ہے۔ جس کی جمع ”پشتانہ“ ہے۔^۴ دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ ”افغان“ (ابگان Abgan کی صورت میں) کا ذکر پہلی مرتبہ تیسری صدی میلادی کے ساسانی دور میں ملتا ہے۔^۵

علاوہ ازیں افغانوں کے لئے ”سلیمانی“ اصطلاح بھی استعمال ہوا ہے۔ جو عربوں کے تاریخی ادب میں مذکور ہیں۔ افغانوں کا قومی نام ”پشتون یا پختون، جمع پشتانہ یا پختانہ“ ہے۔ سر اولف کیرو کے مطابق ”لفظ پشتون یا پختون کا سرود ڈھائی ہزار برس پہلے استعمال ہونے والی اصطلاح پکت یا پکتین سے جوڑا جاسکتا ہے۔ جس نے بعد میں پشتون یا پختون کی صورت اختیار کی۔“^۶

خواجہ نعمت اللہ ہروی جو مغل شہنشاہ جہانگیر کا درباری مصنف تھا، انہوں نے فارسی زبان "تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی" کتاب لکھی جو افغان مورخین کے ہاں ایک معتبر ماخذ تھا۔ تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی ۱۰۲۱ھ کو دکن میں مغلیہ حکومت کے صدر مقام برہان پور میں مکمل ہوئی۔

نعمت اللہ ہروی لکھتے ہیں:

”جب بنی اسرائیل کے بادشاہ حضرت طالوتؑ (سورۃ البقرہ آیت ۲۴۷) نے اپنی خواہش پر بنی اسرائیل کے سردار حضرت داؤدؑ کو اپنے پاس بلایا تو وہ اُن کے ساتھ بڑی رواداری کے ساتھ پیش آیا اور اپنی سلطنت اُن کے حوالے کی۔ اس کے بعد حضرت طالوتؑ حضرت شموئلؑ کی نصیحت کے مطابق دس بیڑوں کے ہمراہ کفار کے خلاف جہاد پر نکلے اور حضرت داؤدؑ کو وصیت کی کہ ”میرے حرم میں دو بیبیاں جو لاوی بن یعقوب کی نسل سے ہیں، حاملہ ہیں۔ تو اُن کی حفاظت کرنا، اللہ انہیں اولادِ نرینہ عطا کرے گا اور خداوند تعالیٰ اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے اُن کے دولڑکوں کی نسل سے بہت سارے صالح اور پرہیزگاروں کے علاوہ اولیاء اللہ اور اہل حقیقت کو بھی پیدا کرے گا۔“

حضرت داؤدؑ نے ان بیبیوں کی خبر گیری کی، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو دو بیٹے عطاء کیے اور داؤدؑ نے طالوتؑ کی وصیت کے مطابق ایک کا نام برخیاؑ اور دوسرے کا نام ارمیاؑ رکھا۔ دونوں کی خوب سرپرستی فرمانے کے بعد ہر ایک کو بنی اسرائیل کے ایک ایک گروہ کا سردار مقرر کیا۔ ان کی محنت و لیاقت سے بنی اسرائیل کو ہر طرح کی خوشی نصیب ہوئی۔ اللہ نے ہر ایک کو ایک لڑکا عطا کیا۔ برخیاؑ نے اپنے بیٹے کا نام ”آصف“ اور ارمیاؑ نے اپنے بیٹے کا نام ”افاغنه“ رکھا۔ حضرت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ نے آصف کو وزارتِ انتظام اور افاغنه کو فوج کا سربراہ مقرر کیا۔ ان کی آل و اولاد ملکِ شام میں آباد تھی۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس کو فتح کر کے ہمارے دیران کر دیا۔ بے شمار مردوں خاص کر جوان لڑکوں کو قید و بند میں ڈال دیا۔ باقی قوم کو جو تورات خواں تھی وہاں سے نکال کر غور، غزنی، قندھار، کابل اور کوہ فیروز کے پہاڑی علاقوں کی طرف دھکیل دیا۔ اسی طرح افاغنه کی اولاد نے ایران اور افغانستان میں سکونت اختیار کی۔ ان کی اولاد بڑھتی گئی اور کثرت سے کافر قبیلوں کے خلاف متواتر جنگیں لڑتی رہی اور اکثر و بیشتر نے فتح حاصل کر کے کوہستان کا سارا علاقہ زیر نگین کر لیا۔

جغرافیائی محل وقوع:

افغانستان کے جدید نقشے کے مطابق شمال مغرب میں نوآزاد مسلم ریاستیں، شمال مشرق میں چین اور پاکستان کے شمالی علاقے، جنوب مغرب میں ایران، مشرق اور جنوب مشرق میں پاکستان واقع ہے۔ افغانستان کا کل رقبہ ۶۵۱۷۷۳ مربع میل یا ۶۵۲۰۹۰ مربع کلومیٹر ہے۔^۸

افغانستان کا یہ جدید نقشہ تاریخی ارتقاء مدوجزر کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ مختلف قوموں کے حملوں اور نئی تہذیبوں کی وجہ سے افغانستان کے جغرافیائی حالات متاثر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس ملک کے جغرافیائی حالات سے اس ملک کی سیاسی تاریخ اور آبادی کے بار بار تشکیل کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔^۹

افغانستان کے پہاڑی سلسلے جو مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں، اس ملک کے جغرافیائی حالات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان پہاڑی سلسلوں میں کوہ ہندوکش زیادہ مشہور ہے جو افغانستان کا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ کوہ ہندوکش کا یہ پہاڑی سلسلہ پامیر کے پہاڑوں سے نکل کر جنوب مغرب میں تقریباً ۴۰۰ میل کی لمبائی اور ۲۲۵ میل کی چوڑائی پر پھیل جاتا ہے۔ اس کی بلند ترین چوٹی تریچ میر ۲۵۳۹۰ فٹ بلند ہے۔ علاوہ ازیں افغانستان کے پہاڑی سلسلوں میں مشہور دترے بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے آمدورفت آسانی سے ہو جاتی ہے۔^{۱۰}

کوہ ہندوکش کا دوسرا اہم پہاڑی سلسلہ ”کوہ بابا“ ہے۔ یہ سلسلہ مغرب کی جانب تین حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ اور آخری حصہ ہرات کے قریب کوہ سفید (سپین غر) اور سیاہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ”کوہ بابا“ کی لمبائی ۳۰۰ میل جبکہ اس کے متعدد چوٹیوں کی بلندی، ۳۴۰، ۱۸، ۱۰ اور ۱۰۰۰ فٹ کے درمیان ملتی ہے۔ اس کی بلند ترین چوٹی شاہ فولادی ہے۔ جو کہ ۷۰۰۰ فٹ بلند ہے۔^{۱۱}

”کوہ سکارام“ بلند ترین چوٹی ہے۔ جو کہ ۵۱۶۲۰ فٹ اونچی ہے۔ یہ شمال کی جانب دریائے کرم اور دریائے کابل کی وادیوں کے درمیان سفید کوہ (مذکوہ اوپر کوہ سفید سے مختلف) ایک اونچا کوہستان ہے۔ کوہ سکارام جلال آباد کو دریائے کرم اور آفریدی تیراہ سے جدا کرتی ہے۔ اس میں تاریخی اہمیت کا حامل درہ، درہ خیبر واقع ہے۔ افغانستان کا جنوبی پہاڑی سلسلہ کوہ سلیمان (بوجہ واقع علاقہ سلیمان خیل غلزی) واقع ہے۔ اس کی بلند ترین چوٹی ”تحت سلیمان“ ۱۱۲۰۰ فٹ بلند ہے۔^{۱۲}

جغرافیائی اہمیت اور مرکزیت واضح کرتے ہوئے سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین بابر اپنی سوانح عمری ”تذکرہ بابر“ میں لکھتے ہیں:

”افغان سرزمین کے کسی بھی مرکز سے ہندوستان پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ شمال ہند کی مستقل فتح کیلئے کابل کو ہر حال میں محفوظ رکھنا ہوگا۔ کابل ایک ایسا مقام ہے جہاں سے آپ ایک دن میں ایسے مقامات پر جاسکتے ہیں جہاں کبھی برف پگھلتی نہیں اور دو ساعت میں ایسی جگہ پہنچ سکتے ہیں جہاں کبھی برف پڑتی ہی نہیں۔“^{۱۳}

افغانستان کو آثار قدیمہ کے ماہرین انسان کی پیدائش اور ظہور کا اولین گہوارہ کہتے ہیں۔ مشہور مؤرخ اور ماہر آثار قدیمہ (louis Dupree) کے مطابق قدیم حجری (palcolithic) انسان ۵۰۰۰۰ سال قبل شمالی افغانستان (کوہستان ہندوکش) کے غاروں میں رہائش پذیر تھا۔^{۱۴}

دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی افغانستان (نادر علی علاقہ سیستان) میں آثار قدیمہ کی کھدائی سے شواہد ملتے ہیں کہ افغانستان اُن مخصوص مقامات میں شامل ہے، جہاں پر انسان نے پہلے اپنے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی تھی۔^{۱۵}

اٹھارویں صدی عیسوی (۱۷۷۷ء) تک یہ ملک خراسان کے نام سے موسوم رہا۔ جغرافیائی وحدت کے اعتبار سے اسلام آنے سے پہلے افغانستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں (ولایات) میں بٹا ہوا تھا۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱) تخارستان (موجودہ قلعن اور بدخشاں)
- (۲) آریانا (ہرات)، اپارتیا (خراسان)، کارامانیا (کرمان)
- (۳) اوشیا (بلوچستان)
- (۴) زت کوش (پنجاب)، کشمیر، بلورستان یا بولر (نورستان اور چترال)
- (۵) سکا ستین یا سبجستان (ستیان، زابلستان)
- (۵) سفد (بخارا اور سمرقند) خوارزمیش (خوارزم)
- (۷) باخترا (میںہ اور مزار شریف)
- (۸) اراکولیا (قندھار)
- (۹) پاکستان یا پاختیا (موجودہ جنوبی ولایات)
- (۱۰) اندس (سندھ)
- (۱۱) گندھارا (پشاور، سوات، ننگرہار، کابل) اور غور (موجودہ ہزارہ جات)^{۱۶}

۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ آریا لوگ افغانستان کے سر زمین پر آباد تھے۔ یہ لوگ کوچہ گری کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب ان کی آبادی بہت بڑھ گئی تو دریائے آمو کے کناروں سے جنوب کے علاقوں میں منتقل ہونے لگے اور باختر (بلخ) سے گزر کر ہندوکش کے شمال اور جنوب میں آباد ہو گئے۔ وقت گزرنے کے بعد جب ان کی تعداد اور بھی بڑھ گئی تو دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان میں آباد ہو کر ایک نئی مدنیت جس کو تاریخ میں ویدی مدنیت یا عہد (آریاؤں کی مقدس کتاب وید کی نسبت سے) لکھا گیا ہے۔ تشکیل دی۔ آریاؤں کی کتابوں خصوصاً ”رگ وید“ میں افغانستان کے اکثر مقامات اور قبائل کا ذکر ملتا ہے۔^{۱۷}

آریاؤں کی تمدنی، تہذیبی اور اقتصادی زندگی اس وقت شروع ہوئی، جب ان لوگوں نے کوچہ گری اور خانہ بدوشی کی زندگی سے نکل کر شہری اور مدنی زندگی اختیار کی اور دائمی زندگی گزارنے کیلئے بستیاں اور دیہات آباد کئے۔^{۱۸}

آریا قوم کے مشہور شہر بلخ کی سنگ بنیاد اس کی تہذیب و تمدن کی داغ بیل اور ارتقاء کا ضامن ہے۔ جو کہ اسی عہد کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔^{۱۹}

اوستا^{۲۰} کے مطابق بلخ کا پہلا حکمران ہوننگ (ملقب بہ پاراداتا، پیش داد یعنی پہلا قانون گزار کے نام سے معروف ہے۔ بلخی حکمرانوں نے پہلی دفعہ رسم زراعت اور دہقانہ کو ایجاد کیا۔ حکمرانوں نے عدل و انصاف کو اپنا اساس بنایا۔ یہ حکمران رب النوع^{۲۱} پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس کا ذکر ”ویدی سرود“ میں پایا جاتا ہے۔ پاراداتا (پیش دادی) خاندان کے بعد جو بھی بلخ کے حکمران ہوتے تو اس کے نام کے ساتھ لقب ”کوی“ یا ”کی“، ”کاوی“ (بہ معنی ہو شیر امیر یا بادشاہ) کا استعمال ہوتا ہے۔^{۲۲} اس خاندان کا پہلا حکمران ”کواتہ Kavata“ تھا۔ جو سیتانی پہلوان رستم کے باپ کی درخواست پر جنوبی بلخ میں تخت نشین ہوا۔^{۲۳}

اس حکمران نے پندرہ سال حکمرانی کی۔ یہ بڑا منصف مزاج اور لوگوں کے آرام و آسائش کا دلدادہ حکمران تھا۔ عبدالحی حبیبی کے مطابق یہ بھی فریدون کی نسل سے تھا اور اوستا میں کواتہ (کیقباد^{۲۴}) کے علاوہ اس خاندان کے دوسرے بادشاہوں کے بھی نام آئے تھے۔ مثلاً پیوہ، کی اوشن، کی بیرشن اور کی پشین۔ مگر قدیم کتب میں ان بادشاہوں کو بہت کم شہرت ملی کواتہ (کیقباد) کے بعد اس کا بیٹا ”کوی اوسن“ Kavi Usan (کیکاؤس) بلخ کے تخت پر بیٹھا۔^{۲۵}

کیکاؤس کے بعد اس کا بیٹا سیاورشن اور اس کے بعد اس کا بیٹا کیمنسرو بلخ تخت نشین ہوا۔ خسرو کے بعد بلخ پر جن حکمرانوں نے حکومت کی ہے۔ اس کے آخر میں کلمہ ”اسپہ“ آتا ہے۔ مثلاً اور رتاسپہ (Auruut-Aspa) (دارای اسپہ، ویشتا اسپہ (گتاسپ) اسپہ خالصتاً باختری نسبت ہے۔ اسی وجہ سے کہ بلخ تاریخی دور کے شروع میں گھوڑوں کی مشہور پرورش گاہ رہا ہے۔ اس وجہ سے بلخ کے لوگ بہترین شہسوار گردانے جاتے ہیں۔^{۲۶}

ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق ۷۱۰ ق م سے ۵۵۰ تک مندرجہ ذیل چار حکمرانوں کی حکومت رہی

ہے۔

(۱) دیوکس Deices (یونانی نام) دہیا کو یا دہکان (اسوری نام) ۷۰۸ تا ۶۵۵ ق م

(۲) فرہ اور تس پسر دیوکس ۶۵۵ تا ۶۳۳ ق م۔

(۳) سیاکزار ہووخ شتر ۶۳۳ تا ۵۵۸ ق م۔

(۴) استیاگس Asteysges از دہاک پسر ہووخ شتر ۵۸۵ تا ۵۵۰ ق م۔^{۲۷}

استیاگس نے ۵۳ برس حکومت کرنے کے بعد خراسان ہخامنشی خاندان کے زیر اقتدار آیا۔ ہخامنشی خاندان (Achaemenion) کا نسلی تعلق آریاؤں سے تھا۔ آخری مادی حکمران استیاگس Astyages نے اپنی بیٹی ”ماندانه“ (Mandane) کو ہخامنشی سلسلے کے چھٹے ساتراپ (Satrap) (والی ولایت) ”کمبوجیہ ثانی“ (Cambyses) کے نکاح میں دی۔ جس سے ہخامنشی سلسلے کے اس نامور حکمران نے جنم لیا۔ جو تاریخ میں ”کوروش اعظم“ (Cyrus, the great) کے نام سے مشہور ہوا۔^{۲۸}

کوروش اعظم ہخامنشی خاندان کا ساتواں عظیم فاتح حکمران تھا۔ کوروش اعظم کو عربوں نے خورس یا کیخسرو یونانی اور یورپین مؤرخین نے سائرس Cyrus اور یہود نے اخسویرس یا اخویرش لکھا ہے۔

کوروش اعظم اپنے فتوحات کا سلسلہ مدتوں جاری رکھتے ہوئے بلخ درنگیانہ (Drangiana) (سیستان، قندھار ہلند کوفن یا کولھا) (کابل) اور غزنہ تک بڑھایا۔ اس طرح مشرق کی طرف (ہرات) پرتو (پارت) اور سوگودو (سغد) تک کے علاقے شامل کئے۔ ۵۲۹ ق م کے دوران مغربی افغانستان میں ایک خانہ بدوش قبیلے کے خلاف لڑتے ہوئے کوروش اعظم مارا گیا یا طبعی موت مرا۔ تاریخ میں کوروش Cyrus بہ معنی بزرگ، بڑایا عظیم کے نام سے پکارا گیا۔ اس عظیم حکمران کے عہد حکومت میں یہودیوں کو بابل کی اسیری سے نجات ملی۔ انہوں نے بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا۔ جس کو بابل کے حکمران بخت نصر ۵۸۴ ق م میں مسمار کر چکا تھا۔^{۲۹}

کوروش کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کمبوجیہ سوم حکمران بنا۔ چنانچہ کمبوجیہ مصر کے فتح کے بعد وہی مقیم ہو گیا جس کی عدم موجودگی میں ماد (شمالی فارس) کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ بغاوت ختم کرنے کے بعد مصر سے واپس ہوا، جو کہ شام کے قریب مارا گیا۔^{۳۰}

کوروش اعظم کے بعد ہخامنشی خاندان کا عظیم حکمران داریوش اول Darius ۵۲۲ تا ۴۸۶ ق م گزرا ہے۔ اس حکمران کی وجہ سے مفتوحہ علاقہ میں امن وامان قائم ہو گیا۔^{۳۱}

(چوتھی صدی ق م) میں اسکندر اعظم کے حملے کے وقت ہخامنشی سلطنت بغاوتوں کا شکار تھا۔ اسی بغاوتوں کی وجہ سے پیشگاتی (چارسدہ) اور مشرقی گندھارا (ٹیکسلا) میں خود مختار ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ جو اسکندر اعظم کے

حملے کا جو سد باب نہ کر سکیں۔ اس خطے پر اسکندر اعظم مقدونی کے لشکر کشی کے اتنے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ جس نے زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا۔ ”اسکندر“ جس کا یونانی لغوی شکل ”الکساندروس“ ہے۔ الکساندروس دو لفظوں کا مرکب ہے۔ ”الکسوسہ“ بہ معنی حامی اور ”اندوس“ بہ معنی انسان۔ لہذا الکساندروس کے معنی حامی انسان کے ہیں۔^{۳۲}

اسکندر یونان کے شمال میں مقدونی ریاست کے بادشاہ فلپ دوم (philip ii) کے بیٹے تھے۔ جو شہر پلا میں ۳۵۶ ق م میں پیدا ہوئے۔ اسکندر اعظم بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ اسکندر کی ماں کا نام اولمپیس (Olympus) تھا۔ جو مولوس (Molosses) کے بادشاہ ”نہ اوپ تولم (Nooptoleme) کی بیٹی تھی۔ اور اس کا سلسلہ نسب یونان کے داستان پهلوان آئیل (Achile) سے بتایا جا رہا ہے۔ لہذا یونانی مؤرخین نے اسکندر کو باپ کی طرف سے ہرکول (Hercule) (نیم رب النوع) اور ماں کی طرف سے آئیل سے منسوب کیا ہے۔ لیکن ایرانی داستانوں میں اسکندر کی ماں کا نام ”ناہہ“ لکھا گیا ہے۔ اسکندر اعظم کی تعلیم و تربیت کیلئے ارسطو (جو افلاطون کے مکتبہ سے منسلک تھا) کو مقرر کیا گیا۔^{۳۳}

جب اسکندر اعظم نے ۳۴۳ ق م میں اپنی اسی ہزار فوج اور بحری بیڑے کے ساتھ مشرق کی طرف ایران کا رخ کیا۔ اس وقت ایران میں ”دارپوش سوم“ برسر اقتدار تھا جو کہ ایک آرام پسند اور لاپرواہ حکمران تھا۔ اگرچہ اس نے بھی اسی ہزار فوج کے ساتھ بڑی دلیری سے اسکندر اعظم کا مقابلہ کیا۔ لیکن اسکندر اعظم ”تخت جمشید“^{۳۴} پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور تینوں جنگوں گرانیکس (Granicus) ایسوس اور گوگمل (Gaugamela) دارپوش سوم شکست سے دوچار ہو کر ”آگباتانا (ہمدان)“ کی طرف فرار ہو گیا۔ جو کہ ۳۳۰ ق م میں اپنے ایک والی ”بسوس“ کے ہاتھوں قتل ہوا۔^{۳۵}

دارپوش سوم کی تجہیز و تکفین اسکندر اعظم نے شاہانہ طریقے سے انجام دی۔ ”بسوس“ نے اپنے آپ کو اردشیر چہارم کے نام سے مشہور کر کے بادشاہت کا اعلان کیا۔ اسکندر اعظم بسوس کے تعاقب میں نکل کر ۳۳۰ ق م میں علاقہ افغان میں داخل ہوا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسکندر کو اطلاع ملی کہ بسوس نے ”ارغوانی لباس (صحنہ شہابی وقار کی علامت) پہن کر بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے۔ اس دوران ساتی برزن (Satibarzanes) والی ہریوہ (ہرات) نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ اور بسوس کے ساتھ جاملہ۔ اسکندر اعظم نے باختر جانے سے پہلے برزن پر حملہ کرنے کی عرض سے بڑھا لیکن برزن باختر چل کر بسوس سے ملا تھا۔ اسکندر اعظم نے ولایت زرنگہ (Zaranga) (ہلمند اور سیستان) کا رخ کیا۔ برزانت والی کا زرنگہ جو دارپوش کے قاتلین میں سے تھا۔ ہندوش (سندھ) کے مشرق کا رخ کیا۔ البتہ ہندوش کے لوگوں نے اسکندر اعظم کی ڈر سے اسکندر کے حوالہ کیا۔ برزانت کو بغاوت کی جرم کی پاداش میں سولی دی گئی۔^{۳۶}

اسکندر اعظم نے ۳۳۰ ق م کے موسم خزان تک ہرات، ہلندو سیتان اور قندھار، بلوچستان اور ہندوکش پر قبضہ مکمل کر لیا تھا۔ جنوبی افغانستان میں قندھار کے قریب اسکندر اعظم نے اسکندریہ Alexandria کا شہر بسایا۔ اسی شہر میں یونانی افواج کیساتھ ساتھ مقامی آبادی کو بھی بسایا۔^{۳۷}

۳۲۹ ق م میں اسکندر اعظم نے کابل کے شہر پر قبضہ جما کر اس شہر کے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر قفقاز (Alexandria) کا دوسرا نیا شہر بسایا۔^{۳۸}

۳۲۹ ق م میں اسکندر اعظم بسوس کے تعاقب میں دریائے آمو (Oxus) کے پار سو غودہ (موجودہ سمر قند) کی طرف روانہ ہوئے۔ یونانی افواج نے دریائے آمو پار کر کے بسوس کو قید کر لیا۔ اسکندر اعظم نے اُن کے گردن میں کتے کا پٹا ڈال کر، برہنہ بدن گھوڑوں سے گھسیٹا اور کان، ناک کاٹ کر "اگلباتانا" (موجودہ ہمدان) بھیج کر بغاوت کی پاداش میں سوئی پر لٹکایا۔^{۳۹}

اسکندر اعظم نے سیپتا منش (باختر کے بہادر اور شجاع جنگجو) کو بغاوت کی پاداش میں باختر جانے پر مجبور کیا۔ سیپتا منش نے تین ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن ساتھیوں کی غداری کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ مزاحمت کے دوران باختر کے نجیب و شریف خاندانوں کے لوگ نزدیک پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے۔ اس میں ایک ہوخیار تس (باختری سردار) تھا۔ اس کے اہل و عیال بھی گرفتار ہوئے۔ قیدیوں میں ہوخیار تس کی ایک بیٹی بھی موجود تھی۔ تاریخ دان اُسے باختری میں "روسانہ" اور یونانی میں "روسانہ" Roxana یعنی "رخسانہ" کا نام دیتے ہیں۔ ۳۲۷ ق م میں یہ باختری اسکندر اعظم کی بیوی بنی۔^{۴۰}

یونانی مورخین کے مطابق "اسکندر پیش قدمی کرتا ہوا، اسپیریو Aspasi (غالباً یوسفزی) گورائی Gurae اور اساکن Assaceni (سوات) کے علاقہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اسکندر نے دریا "گرلیئس" Guraeus عبور کیا۔ اس علاقے کا سب سے بڑا شہر جو مساگا Massaga ہے فتح کیا۔ پھر اسکندر نے کورینس کو بازیرہ بھیجا۔^{۴۱}

اسکندر اعظم اگرچہ دنیا کے عظیم جرنیل اور فاتح حکمران تھا۔ لیکن اس نے کروڑوں انسانوں کی زندگی کے عوض اپنی ساکھ کو قائم کیا۔ اسکندر اعظم کی موت ۱۳ جون ۳۲۳ ق م کو واقع ہونے کے بعد ان کے جرنیلوں میں اقتدار کیلئے لڑائیاں شروع ہو گئی۔ دارا کی سلطنت کا ایشیائی حصہ سلوکس Seleucus کے ہاتھ آیا۔ لیکن وہ سلطنت کی مشرقی حصوں میں اقتدار قائم نہ کر سکا۔ جب سلوکس نے ۵۰۳ ق م میں دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کی۔ تو ہندوستان کے حریف چندر گپت (یونانی نام سنڈرا کوٹوس) کے حق میں پانچ سو ہاتھیوں کے تحفہ کے عوض گندھارا، اراکوشیا اور جدروسیا سے دست بردار ہو گیا۔ جس نے ۳۳۲ ق م میں "موریہ خاندان" کی بنیاد ڈالی اور جو "اشوکا" (۲۷۲-۲۳۱ ق م) کا دادا تھا۔^{۴۲}

۳۰۰ ق م میں چندر گپت موریہ کی وفات ہوئی۔ اور اس کا بیٹا "بندوسارہ" اس کا تخت نشین ہوا۔ بندوسارہ نے یونانی حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کئے۔ بندوسارہ نے ۲۷۳ سال حکومت کی اور ۲۷۳ ق م میں وفات پا گیا۔^{۴۳}

بندوسارہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اشوکا جسے تاریخ میں "اشوک اعظم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اشوکا کے حکمرانی کے ابتدائی دور میں انسانوں کا اس قدر خون بہایا گیا، جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جنگ کالنگہ (Kalinga) میں ایک لاکھ آدمیوں کو مارا گیا اور ایک لاکھ پچاس ہزار کو قید و بھوک سے ہلاک کیا گیا۔ اشوکا نے وسیع ہند موریہ سلطنت اور نصف افغانستان (گندھارا سے ارغنداب تک) حکومت کی۔ اشوکا نے ۲۶۰ ق م میں اپنے ظلم و ستم پر پشیمان ہو کر "بدھ مت" کا مذہب قبول کیا۔^{۴۴}

اشوکا نے بدھ مت کی تبلیغ نہایت زور و شور سے کیا۔ لغمان، قندھار، مردان اور پشاور میں اشوکا کے نصب کئے ہوئے کتبے آج بھی موجود ہیں۔^{۴۵}

اشوکا نے (۲۲۷ ق م) میں وفات پائی۔ اشوکا کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد موریہ سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد افغانستان پر ساکا، باختری اور ہندو تاتاری خاندان نے گندھارا پر حکومت کی۔ ساکا قدیم وسطی ایشیائی سہتی گروہ کی ایک شاخ ہے۔ جو اورال سمندر کے ساحلوں تک آباد تھے۔^{۴۶}

۳۰۰ ق م کے لگ بھگ ساکاؤں نے ہرات کے قریب واقع گھاٹی کے راستے پیش قدمی کی اور درنگیانہ اور آراکوسیا (سابقہ جمنشی اقلیم) پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے اقلیم کے نام کی نسبت سے "ساکستان" (بعد میں ستیان یا سبجستان) آباد کیا۔^{۴۷}

ساکا کے چار حکمرانوں کے ناموں کا پتہ سکوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جو "ماولیس" (Maves)، آئس اول (Azes I) آئیلیسیز (Azilises) اور آئیس دوم (Azes II) ہیں۔ ماولیس نے ۹۷ اور ۷۷ ق م کے درمیان پنجاب کی طرف پیش قدمی کی۔ ٹیکسلا کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ ساکا کی وفات کے بعد بیس سال تک اقتدار کیلئے ساکا قبائل ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ آخر کار آئیس اول ۵۸ ق م میں امن قائم کیا۔ اور ساکا عہد کا آغاز کیا۔^{۴۸}

آئیس اول کے وفات کے بعد اس کا بیٹا آئیلیسیز ۵۰ ق م کے لگ بھگ اور پھر پوتا آئیس دوم تخت نشین ہوا۔^{۴۹}

ساکا گروہ کے بعد "کشان" قبیلے کا ذکر آتا ہے۔ جو کہ ۸۰ ق م میں کشانوں نے دریائے آمو کے جنوب میں باختر کو فتح کر کے سلطنت قائم کر لی۔ بعض محققین کی رائے کے مطابق کشانوں کی سلطنت کے مغربی حصے میں بسنے والی رعایا ایرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مشرقی حصہ ہندوستانی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح بعض محققین کی رائے کے مطابق کشان ساکاؤں اور پار تھیوں دونوں نسلوں کے قرابت دار تھے۔ کشان باختر فتح کرنے

کے بعد اپنے پہلے فرماں روا ”کجا کد فیس“ Ckujula kadphises کی سرکردگی میں مشرق و مغرب کی طرف بڑھے اور وسیع سلطنت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جو کہ مشرق میں دریائے سندھ موجودہ افغانستان، موجودہ پاکستان، پنجاب اور وادی کنگا میں موجود آلہ آباد اور بنارس زیر تسلط آ گئے۔ کجا کد فیس نے پارتیا (خراسان) کابل کا پیسا ۶۰ء کے لگ بھگ چڑھائی کر کے غزنی کے قریب ”پوتا“ Pauta کے رعایا کو بھی مطیع بنایا جو کہ بعض محققین کے نزدیک پشتون تھے۔^{۵۰}

کجا کد فیس نے اپنی ۳۸ سالہ دور حکومت میں افغانستان اور باختر سے یونانی اور ساکا تہذیبی اثرات کو ختم کر کے افغانستان کو ”کشانشہر“ کے نام سے موسوم رکھا۔ اس کے علاوہ ان سکوں پر ان کے القابات دھندار بادشاہ، فرزند آسمان اور عظیم شہنشاہ کے نام سے ذکر ہے۔ کجا کد فیس نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔^{۵۱} کجا کد فیس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ”ویما کد فیس“ حکمران بنا۔^{۵۲}

سکوں کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کشان قوم نے دریائے سندھ میں پہنچنے کے بعد مختلف مذہبی اثرات قبول کیے۔ ان مذہبی اثرات کے نتیجے میں ہیفاسٹوس (Hephaestus) ہر اقل (Heracles) مہتراس (Mithras) اور مہاتما بدھ کے بت اکٹھے رکھے جانے لگے۔ مذہب کے اس وسیع النظری کے نتیجے میں کشان خاندان کا عظیم شہنشاہ ”کنیشکا“ (Kanishka) نے آخر کار بودھوں کے گیان تک پہنچ کر اپنی عبادت گاہوں سے باقی تمام بتوں کو ہٹا کر عبادت کا وہ طریقہ اپنایا جو آج بھی گندھارا اور کشان دور کی خصوصیت ظاہر کرتا ہے۔^{۵۳}

کنیشکا ۱۲۵ یا ۱۲۴ء میں کشان خاندان کا عظیم حکمران بنا۔ سردیوں میں اس کی سلطنت کا مرکز گندھارا کا صدر مقام ”پورو ستاپورہ“ یعنی پشاور اور گرمیوں میں ”کاپیسا گرام“ ہوتا تھا۔ پشاور کی مرکزی حیثیت کی بنا پر پوری سلطنت گندھارا کے نام سے مشہور ہوئی۔ کنیشکا اشوکا کا بہت اہم اور پکا پیروکار تھا۔ اور اس کی سرکردگی میں گندھارا اپنے فن کے اعتبار سے اہم تہذیب کا مرکز بن گیا تھا۔ کشانی دور میں پشاور کو ایک وسیع شہنشاہی دارالحکومت کی حیثیت حاصل ہوئی تھی۔ البتہ کشانی تاریخ مرتب کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس خاندان کا اصل رابطہ ہندوستانی باشندوں سے رہا ہے۔ جو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں تاریخ نویسی سے واقف نہ تھے۔ سکوں کی مدد سے حکمرانوں کے بارے میں کافی معلومات ہیں۔ محکموں کی پہچان، طریقہ زندگی کے متعلق کوئی تفصیل نہیں صرف دارالحکومت کا نام ملتا ہے۔^{۵۴}

کنیشکا کے دور میں گندھارا آرٹ اپنے عروج کو پہنچا۔ کنیشکا نے اپنے آخری ایام میں ایک بڑا مینار بنایا تھا۔ جو موجودہ پشاور میں گنج گیٹ کے باہر شاہ جی کی ڈھیری پر واقع تھا۔ تیرہ منزلوں کی اس مینار کی بلندی ۴۰۰ فٹ تھی۔ اس کے اوپر لکڑی کا نقش و نگاری کا کام کیا گیا تھا۔ اور چاروں طرف لوہے کا جنگلا لگا ہوا تھا۔ محققین کے خیال کے مطابق چھٹی صدی کے شروع میں چینی سیاح سوگن بون یہ دیکھنے آیا تھا۔ اس وقت تک اس مینار کو تین مرتبہ آگ لگ چکی تھی۔ اور تینوں مرتبہ بادشاہ کنیشکا نے اسے دوبارہ بنوایا تھا۔^{۵۵}

کنیدیکا تقریباً ۱۵۱ء میں فوت ہوا۔ کشتان طاقت کا خاتمہ ۲۲۵ء کے بعد ساسانی طاقت کے ہاتھوں ہوئی۔ جس کی بنیاد ۲۲۴ء یا ۲۲۶ء میں اصرطخر کے مندر کے پیشوا ”ساسان“ کا پوتا ”اردشیر بابکان“ نے رکھی۔ جو ہخامنشی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اردشیر بابکان ۲۲۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد ۲۴۰ء میں اس کا بیٹا شاہ پور اول حکمران بنا جو ولی عہد کی حیثیت سے اپنے باپ کا شریک رہا تھا۔ یہی وہ شاہ پور ہے۔ جس کا کتبہ ”تخت جمشید“ کے قریب نقش رستم کے مقام آتھدہ کی دیواروں پر لکھا ہوا ہے۔ اسی کتبے میں (پسکی بورا) پشاور کو ساسانی سلطنت کا مشرقی سرحد قرار دیا گیا ہے۔ یہ کتبہ ۲۶۰ء اور ۲۷۳ء کے درمیان لکھا گیا ہے۔ ۲۶۰ء میں ایڑیہ کی لڑائی ہوئی تھی۔ جس کی یادگار میں یہ کتبہ تحریر کیا گیا۔ ۲۷۳ء میں شاہ پور اول وفات پا چکے۔^{۵۱}

۴۵۰ء تک کشتانوں کا گروہ افغان اور گندھارا کے علاقوں پر حکمران رہے۔ اس کے بعد سفیدھن یا افغھالیاں جنہیں رومی اور یونانی مصنفوں نے ”افغھالاٹس“ Ephthalites یا ”کیو نائٹس“ Chionitas اور چینی مصادر نے ”ای، تی، آئی، لی، ڈو (Ye-ti-i-li-do) کے نام دیتے ہیں۔ قدیم عرب ہیاطلہ ☆ اور ایرانیوں نے انہیں ہیتال (Haytal) یا ہیاتلہ (Hayatila) کے نام سے یاد کیا ہے۔^{۵۲}

ماورالنہر کے علاقوں سمرقند، بخارا اور خجند کو ہیاطلہ کہتے ہیں جب بابل میں زبانی خلط ملط ہو گئی تو ہیطل بن عالم بن سام بن نوح علیہ السلام یہاں آکر آباد ہوئے جس کی وجہ سے یہ علاقے ہیطل کے نام سے منسوب ہوئے اور اسلام آنے کے بعد ماورالنہر کے نام سے موسوم ہوئے۔^{۵۳}

۴۲۵ء میں افغھالیوں نے باختر پر مکمل قبضہ کر لیا۔ ۴۲۷ء میں مشہور ساسانی بادشاہ ”بہرام پنجم“ نے افغھالیوں کو ایران پر پیش قدمی کرنے سے روک رکھا۔ لیکن پانچویں صدی عیسوی میں جب بہرام کا پوتا ”فیروز“ تخت نشین ہوا تو دونوں فریقوں میں زبردست لڑائیاں ہوئیں۔ ان لڑائیوں میں پہلے تو فیروز قید ہوا اور بعد میں مارا گیا۔ افغھالیوں نے ایران پر قبضہ کرنے کے بعد ایران چھوڑا۔^{۵۴}

خلاصہ یہ کہ افغان مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ افغان قوم دراصل بنی اسرائیل کے اس دس گمشدہ قبیلوں کی اولاد ہے۔ جن کو بخت نصر نے بیت المقدس پر حملے کے وقت وہاں سے نکالا تھا۔ ان میں کچھ قبیلوں نے غور کی پہاڑوں میں پناہ لیا اور کچھ مکہ معظمہ میں بسنے لگے۔ ان قبیلوں کا جد امجد ”افغنہ“ تھا۔ تاریخ افغانستان قبل از اسلام کے بعد چونکہ عرب کا قبل از اسلام تاریخ بھی مطلوب ہے۔ اسلئے یہاں اس کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

تاریخ عرب قبل از اسلام:

وجہ تسمیہ عرب:

عرب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ اہل لغت کے ہاں عرب اور اعراب کے معنی فصاحت کے ہیں۔ عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے۔

اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو عرب اور باقی دنیا کو (عجم) یعنی ژولیدہ بیان (بے زبان) کہہ کر پکارا۔^{۶۰}

تمام سامی زبانوں میں ”عربہ“ صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ جزیرہ نما عرب چونکہ زیادہ تر بیابان اور ریگستان ہے۔ اس لئے اس کا نام ”عرب“ قرار پایا۔ اور بعد میں اس کے باشندوں کیلئے عرب بولا جانے لگا۔ قرآن مجید میں عرب کیلئے وادی غیر ذی زرع کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جس کے معنی ہے۔ ”غیر آباد علاقہ“ چونکہ عرب زیادہ تر پہاڑوں اور ریگستانوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔
توراة میں اسماعیل علیہ السلام کا مسکن ”مدبار“ بتایا گیا۔ جسکے معنی غیر آباد اور بیابان ہے۔ لفظ ”عرب“ سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں سلیمان علیہ السلام کے عہد میں استعمال ہوا تھا۔^{۶۱}

جزیرہ نما عرب پہاڑی سلسلے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ملک کا اکثر حصہ ریگستان ہے۔ سب سے بڑا پہاڑی سلسلہ جبل السراۃ ہے۔ جو سب سے بلند چوٹی ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب ہیں۔ چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ملتے ہیں۔^{۶۲}

جزیرہ نما عرب کو اہل عرب عموماً جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔ جزیرہ عرب کی شکل چوکور ہے۔ اس کا طول شمال مغرب سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً ۲۲۰۰ کلومیٹر اور عرض تخمیناً ۱۲۰۰ کلومیٹر ہے۔ عمان کا خطہ جو ایران کے ساحل کے قریب پہنچتا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے توازن میں خلل انداز ہوتا ہے۔ جزیرہ عرب کی مغرب جنوب اور مشرق کی اطراف میں سرحدیں خلیج عدن، بحیرہ عرب خلیج عمان اور خلیج فارس تک پھیلی ہیں۔ شمال کی طرف جزیرہ نما عرب کی حد متعین نہیں ہے۔ شمال کی طرف سے نفود کے صحرائے اعظم سے ایک وسیع ہموار چٹیل میدان پھیلا ہوا ہے۔^{۶۳}

قومیں:

مؤرخین کے ہاں عرب تین اقوام میں منقسم ہیں۔

عرب بادہ:

عرب بادہ سے مراد قدیم عرب اقوام ہیں۔ جو بالکل ختم ہو گئیں اور ان کے متعلق کوئی ضروری تفصیلات بھی دستیاب نہیں ہیں۔ ان اقوام میں عاد، ثمود، عمالیق، طسم، امیم، جاسم شامل ہیں۔ جو کہ اصلی عرب تھے۔ ان کی فطری زبان عربی تھی اور فارس میں رہنے والے فارسی بولتے تھے۔ ”عاد“ حضرموت اور پورے یمن میں رہتے تھے۔ اسی طرح ”ثمود“ شام اور حجاز کے درمیان وادی القریٰ اور اس کے اطراف میں رہائش پذیر تھے۔ جدیس ”طسم“ کے ساتھ ہو گئے اور یمامہ اور بحرین کے علاقے میں سکونت اختیار کی۔ اس دور میں یمامہ کو ”جو“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جاسم عمان میں رہتے تھے۔^{۶۴}

عرب عاربہ:

ان قوموں کا شجرہ نسب اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے تین بیٹے، عوص، غاثر اور حویل تھے۔ عوص کے بھی تین بیٹے تھے، غاثر، عاد اور عییل۔ عاد اور عییل احتفاف میں سکونت پذیر تھے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ شمود بن غاثر اور جدیس بن غاثر بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام حجر میں رہتے تھے، صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا۔ طسم، جدیس اور عملیق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام یمامہ میں رہتے تھے، بعض مکہ میں سکونت پذیر تھے، مصر کے فراعنہ، فارس اور خراسان کے بادشاہ اس کے اولاد میں سے ہیں۔ امیم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام فارس میں رہتے تھے۔^{۶۵}

یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں ترکوں سمیت عجم کے تمام بادشاہ تھے۔ ان کا آخری بادشاہ یزدگرد شہر یار بن پرویز فارس کا بادشاہ تھا۔ حام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں نوبہ، حبشہ، سندھ، ہند اور ساحلی علاقوں کے لوگ شامل ہیں اور انہی میں سے نمرود بن کوش بن حام بن نوح علیہ السلام تھا۔^{۶۶}

قینان جو کہ ارفخشذ بن سام کا بیٹا تھا۔ اپنے آپ کو خدا کہتا تھا اور اس لئے اس کا تذکرہ آسمانی کتاب ”تورات“ میں نہیں۔ تورات میں شالخ بن قینان اور ارفخشذ بن سام کی پیدائش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ شالخ کا بیٹا عابر اور اس کے دو بیٹے ایک کا نام فالخ (عربی میں فالخ کا معنی تقسیم کرنے کے ہیں) اسے یہ نام اس لئے دیا گیا۔ کہ اس زمانے میں زمین تقسیم ہو گئی تھی اور زبانیں خلط ملط ہو گئی تھی۔ عابر کے دوسرے بیٹے کا نام قحطان تھا۔ قحطان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ”عرب“ اور دوسرے کا نام ”یعطان“ تھا۔ قحطان وہ پہلا شخص تھا جس کو یمن کی بادشاہی ملی اور جسے ”ابیت اللعن“ کا خطاب دیا گیا۔ جو کہ عام طور پر بادشاہوں کو دیا جاتا تھا۔^{۶۷}

فالح بن عابر کا ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام ”ارغوا“ تھا۔ اس کا ایک بیٹا ”ساروغ“ تھا۔ ساروغ کا ناحور نامی بیٹا تھا۔ ناحور کا بیٹا تارخ تھا۔ جس کو عربی میں ”آذر“ کہتے ہیں۔ جو ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا۔^{۶۸}

ارفخشذ کے بیٹے کا نام نمرود تھا جو حجر کے کسی کنارے پر رہتا تھا۔ حام بن نوح کے چار بیٹے تھے۔ جو کہ کوش، مصر ایم، قوط، اور کنعان کے ناموں سے مشہور تھے۔ نمرود کوش کے نسل سے تھا، جو بہت بڑا جابر اور ظالم شخص تھا۔^{۶۹}

عربی بولنے والے ابتدائی لوگ:

کہا جاتا ہے کہ عربی بولنے والے پہلے لوگ عمالقه تھے۔ بابل سے کوچ کرتے وقت عملیق اور جرہم عرب عابرہ کہلاتے تھے۔ عاد اور عییل عوص بن ارم بن سام بن نوح کے بیٹے ہیں۔ اہل روم بنو نبطی بن یونان بن یافث بن نوح کے بیٹے ہیں۔ نمرود کوش بن کنعان بن حام بن نوح کا بیٹا تھا۔ یہ بابل کا بادشاہ تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بابل پر اسی کی حکومت تھی۔^{۷۰}

عربی زبان کا آغاز:

قوم عاد کو ارم کہا جاتا ہے۔ جب قوم عاد ہلاک ہو گئی تو قوم ثمود کو ارم کہا جانے لگا اور جب ثمود بھی ہلاک ہو گئے تو تمام بنی ارم کو ”ارمان“ کہا جانے لگا۔ یہ لوگ نبطی ہیں۔ جب نمرود جو (بابل کا بادشاہ تھا) اُس نے ان لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی۔ تو ان لوگوں نے بت پرستی شروع کی۔ اس سے پہلے یہ لوگ مسلمان تھے۔ اس زمانے میں یہ لوگ سریانی زبان بولتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانوں کو خلط ملط کر دیا۔ یہاں تک یہ لوگ ایک دوسرے کے باتوں کو بھی نہ سمجھ پاتے تھے۔ کیونکہ بنو سام اور حام کی اٹھارہ لغتیں تھیں اور بنو یافث کی چھتیس بولیاں تھیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے عاد، عیلیل، جدیس، طسم، امیم، بنو یقطن بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح کو عربی سکھا دی۔^{۴۱}

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی پیدائش:

جب فالخ بن عابر تیس برس کو پہنچا۔ تو ارنوا بن فالخ پیدا ہوا۔ فالخ کی کل عمر دو سو انتالیس سال تھی۔ جب ارنوا بتیس سال کا ہوا تو اس کا بیٹا ساروخ پیدا ہوا۔ ارنوا کی کل عمر دو سو انتالیس سال تھی۔ پھر ساروخ کے ہاں تیس برس کی عمر میں ناحور پیدا ہوا۔ پھر ناحور کا بیٹا تارخ پیدا ہوا۔ جب نمرود نے اسے بتوں کا مگران بنادیا تو آزر کے نام سے مشہور ہوا۔ کہا جاتا ہے، کہ ابراہیمؑ کے والد کا نام آزر نہیں تھا۔ یہ تو ایک بت کا نام تھا۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

ولادت ابراہیم علیہ السلام:

طوفان نوح اور ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش میں ایک ہزار اناسی برس کا فرق ہے۔ بعض اہل کتاب کا کہنا ہے۔ کہ طوفان نوح اور ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش میں ایک ہزار دو سو تریسٹھ سال کا زمانہ ہے۔ اور آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد تین ہزار تین سو سینتیس سال بعد کا واقعہ ہے۔^{۴۲}

عرب مستعربہ:

عرب مستعربہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، انہیں ”مستعربہ اس“ لئے کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام کی اپنی زبان عربی نہیں بلکہ عبرانی تھی۔

اسماعیل علیہ السلام کے اولاد کو عرب مستعربہ کے علاوہ، متعربہ، عدنانی، نزاری اور معدانی بھی کہتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام تورات میں نابت، قیذر، اذبل، میشا، مسمعا، ماشی، دما، اذر، طیما، بطور، نبش، قیذماند کور ہیں، ان میں سے عربی کتابوں میں نابت اور قیذر کے ناموں کا اکثر استعمال ہوا ہے۔ جس طرح عدنان عدنانی عرب کا جد اعلیٰ ہے، اسی طرح قحطان، قحطانیوں کے جد امجد ہیں۔^{۴۳}

ابن ہشامؒ نے رعلہ بنت مضاض کا شجرہ نسب رعلہ بنت مضاض بن عمرو بن جریم بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاقؒ نے

جریم بن یقطن بن عبیر بن شالخ کہا ہے۔ یقطن سے مراد قحطان اور عامر بن شالخ کی جگہ عبیر بن شالخ مذکور ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے ایک سو تیس سال عمر پائی اور مقام حجر میں اپنی ماں کے ساتھ مدفون ہوئے۔^{۴۳}

اہل انساب نے ابراہیم علیہ السلام کا شجرہ " ابراہیم بن تارح (آذر)، بن ناحور بن اسرغبن ارغو بن فالخ بن عابر بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام بن ملک بن متوشلخ بن اخنوح بن یردبن مہلائیل بن قاین بن انوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام " لکھا ہے۔^{۴۴}
عدنان جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سلسلہ نسب ٹھہرتا ہے، اس شجرہ نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اہل انساب کے مطابق عدنان بن ادد بن یحثوم بن مقوم بن ناحور بن تارح بن یعرب بن یثحب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام ہے۔ بعض نے "عدنان بن ادد بن اشجب بن ایوب بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام" لکھا ہے اور بعض کے ہاں یہ سلسلہ نسب عدنان بن میدع بن متیع بن ادد بن کعب بن یثحب بن یعرب بن بمیسع بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام مؤکد ہے۔ عدنان کے دو بیٹے عک اور معد تھے۔ کلام حاصل یہ ہے کہ عدنان سے آگے اہل انساب کا آپس میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا شجرہ نسب بیان کرتے تھے تو عدنان پر رک جاتے تھے۔^{۴۵} عدنان سلسلہ نسب یہاں تک صحیح طور پر محفوظ ہے۔ صحیح بخاری میں اس طرح مذکور ہے۔

"سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان"۔^{۴۶}

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو مجھے سب سے اچھے گروہ میں بنایا، پھر ان کے بھی دو گروہوں میں زیادہ اچھے گروہ کے اندر رکھا، پھر قبائل کو چنا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے کے اندر بنایا پھر گھرانوں کو چنا تو مجھے سب سے اچھے گھرانوں میں بنایا۔ لہذا میں اپنے ذات کے اعتبار سے سب سے اچھا ہوں، اور اپنے گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔"^{۴۷}

بنو اسماعیل کے ایک فرد کلاب نے شمالی عرب کے قبیلہ قضاہ میں شادی کی۔ جس سے قصی پیدا ہوئے۔ قصی کی شادی حتی بنت خلّیل (اصل نام خلّیل بن حبشیہ متولی خانہ کعبہ) سے ہوئی۔ خلّیل نے اپنے آخری ایام میں خانہ کعبہ کی کنجیاں اپنی بیٹی حتیٰ کے حوالے کر دی، جس سے کنجیاں بنو اسماعیل میں منتقل ہو گئی۔ بنو قضاہ نے جب بنو خزاعہ کو شہر بدر کرنے پر مجبور کیا تو جاتے وقت بنو خزاعہ نے چاہ زم زم کے کنویں کو بند کر دیا، جو صدیوں تک بند رہا۔ قصی نے مکہ میں ایک مثالی شہری نظام بسایا۔ دارالندوہ (پارلیمنٹ) اور ٹیکس کے ادارے قائم کئے۔ قصی کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے دیئے، چاروں میں عبد مناف نہایت صاحب عزت تھے۔ عبد مناف کے بھی چار بیٹے تھے۔ چاروں میں ہاشم جرات، بہادری اور سخاوت کا پیکر تھا۔ ہاشم کی وفات ۴۸۵ء کو ہوئی اور چند ماہ بعد عبد المطلب پیدا ہوئے۔ البتہ ابن سعد اور ابن خلدون کے مطابق عبد المطلب کا پیدائش ہاشم کے وفات سے پہلے ہو چکا ہے۔ عبد المطلب کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں زم زم کی جگہ کی نشاندہی کرائی۔^{۷۹}

عبد اللہ، عبد المطلب کے بیٹوں میں بہت پیارے بیٹے تھے۔ آپ کی نکاح بنو زہرہ کی ایک نیک خاتون حضرت آمنہ بنت وہب سے کرائی گئی، عرب کے دستور کے مطابق عبد اللہ شادی کے بعد اپنے سرال میں چند ماہ تک رہے۔ ایک دن تجارت کی غرض سے شام گئے، واپسی پر راستے میں بیمار ہو گئے اور مدینہ چلے آئے۔ چند دن قیام کے بعد وہاں وفات پا گئے۔ عبد المطلب کو اپنے لاڈلے اور جوان بیٹے کی موت سے بڑا دکھ ہوا۔ عبد اللہ کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے سات ماہ قبل ہوئی۔ اور آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور بقول واقدی عبد اللہ کی عمر بوقت وفات پچیس سال تھی۔^{۸۰}

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ محمد قاسم فرشتہ، ”تاریخ فرشتہ“، ص: ۷۵، لکھنؤ، ۱۳۲۱ھ
- ۲۔ خواجہ نعمت اللہ ہروی، تاریخ خاٹھانی و مخزن افغانی، ص: ۳۷، لکھنؤ ۱۸۷۶ء
- ۳۔ سید جمال الدین افغانی (م۔ ۱۸۹۷ء)، ”تنمۃ البیان فی تاریخ الافغان“، ص: ۱۷-۱۵، طبع کابل، ۱۳۱۸ھ
4. Mount Stuart, Elphinstone, 1972. "Kingdom of Kabul", Oxford University Press, Vol. 1, p 200
5. Sir Olaf Caroe, 1958, "The Pathans 550 B.C to 1957, Oxford University Press, p:80
6. Sir Olaf Caroe, 1958 "The pathan" p: 82
- ۷۔ خواجہ نعمت اللہ ہروی، مذکور، ص: ۷۲
8. Imperial Gazetteer of India, 1999. "Afghanistan and Nepal, p 1, Sang_e_meel, Publications, Lahore
9. Tahir Amin, 1987. Afghanistan, Iran and Pakistan: Crisis; Institute of Policy Studies Islamabad, p 40.
- ۱۰۔ بشریٰ افضل عباسی، ۲۰۰۲ء، ”جغرافیائی معلومات“، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ص: ۱۱۰

11. (A) Imperial Gazetter of India, 1999. "Afghanistan and Nepal", p 2
(B) Dr. Abdul Ghani, 1979. "A Brief Political History of Afghanistan" Najaf publications, Lahore, p 9
12. Humulum, 1959, "The Geography of Afghanistan" Scandinauin, University Copenhagen. Books, p 10
- ۱۳۔ ظہیر الدین بابر، ”تزک بابر“، انجمن تاریخ کابل تن، ص: ۴۲
14. Louis Dupree, 1980. "Afghanistan", p 17 W, Fairseruis, 1950.
15. Afghanistan", Tarnsaction of the Newyork, Academy of science 2, pp 172 -173.
- ۱۶۔ غبار، میر غلام محمد، ”تاریخ مختصر افغانستان“، ادبی انجمن، کابل، ص: ۷
- ۱۷۔ عبدالحی حبیبی، ۱۳۴۶ھ۔ تاریخ مختصر افغانستان از زمان قدیم تا خروج چنگیز و حدود۔۔۔۔۔ ۶۰۰ھ۔ انجمن تاریخ، کابل
- ج، ۱، ص: ۸
- ۱۸۔ ایضاً۔ ص: ۱۵
- ۱۹۔ عبدالحی حبیبی، ۱۳۴۶ھ، مذکور، ص: ۱۴
- ۲۰۔ اوستا: فارسی مذہب کی مقدس کتاب ہے۔ اس کی زبان قدیم پہلوی ایرانی سے ملتی جلتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں ۲۱ پارے تھے جو بارے ہزار چڑوں پر سنہرے خطوں سے تحریر تھے۔ صہانشی خاندان کے زوال کے بعد ضائع ہو گئی، صرف ایک پارہ اور چند اجزاء باقی رہے۔ اوستا کے چار حصے ہیں۔ (۱) ایستا جن میں بارہ باب ہیں اور مقدس بھجن گھنٹا بھی اسی میں شامل ہے۔ (۲) ویسپ ید (حمدریں)۔ (۳) وندیداد جس میں طہارت، ریاضت اور عبادت کے قاعدے ہیں۔ (۴) یشت یعنی فرشتوں کی مدحیات، ان کے بارے میں عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ زرتشت کا کلام ہے۔ اسکندر اعظم نے جب ۳۳۱ ق م میں ایران فتح کیا تو اوستا کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا، عہد ساسانی میں پرانندہ اوستا کے حصے کو جمع کر کے ۳۴۸ فصلیں مل سکیں جنہیں ۲۱ کتابوں میں منقسم کیا گیا، اس کے بعد عرب فاتحین، اور مغلوں کی حملوں سے اور حصہ بھی ضائع ہو گیا، موجودہ اوستا صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ باقی ہیں۔
- ۲۱۔ رب النوع: مخلوق کی مختلف انواع میں سے ہر نوع کی دیکھ بھال یا حفاظت کرنے والا فرشتہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے مقرر ہے۔ دائرۃ المعارف۔ ۱۷۔ ۵۰۲
- ۲۲۔ نجیب اللہ تور وایانا، ۱۳۷۹۔ ”آریانا افغانستان“۔ ڈھکی نعلبندی، قصہ خوانی پشاور، ج، ۱، ص: ۳۰
23. Textual Sources for the Study of Zoroastianism Verses Yasht: p 19
- ۲۴۔ کیقباد: ایران کے اساطیری بادشاہ کا نام جو خاندان ”کیان“ سے تھا، اوستا میں ”کوی، کواتہ kavi kavata مذکور ہے۔ ایضاً
- ۲۵۔ ایضاً ص: ۲۴
- ۲۶۔ نجیب اللہ، تور وایانا، ۱۳۷۹، مذکور، ج، ۱، ص: ۳۲

- ۲۷۔ ڈاکٹر عبداللہ رازی، تاریخ کامل ایران (چاپخانہ اقبال ۱۳۶۳ھ) ص: ۷ وما بعد
- ۲۸۔ عبداللہ رازی، مذکور، ص: ۴۸
- ۲۹۔ عبداللہ رازی، مذکور، ص: ۵۲
- ۳۰۔ عبدالحی حبیبی، مذکور، ص: ۳۸-۳۹
- ۳۱۔ ایضاً، ص: ۳۹
- ۳۲۔ شیخ محمد فرید الدین عطار، ۲۰۰۳، ”تحقیق در الہی نامہ“، نگارش ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سید، (مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد)، بذیل: اسکندر
- ۳۳۔ ایضاً
- ۳۴۔ تحت جہشید: ایران کے ہخامنشی سلطنت کے فرمانرواؤں کا ایک عظیم الشان دارالسلطنت کا نام جو شیراز سے چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے، شاہی محلات کے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں، اسکندر اعظم نے داراسوم کو شکست دینے کے بعد اسے جلایا۔ آزاد دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا
35. Dr. Abdul Ghani, p 55, Louis Dupree, p 279
36. Louis Dupree, p 279
37. Olaf Caroe, p75
38. Louis Dupree, p278
39. W.Tran 1951 ”The Greeks in Bactria and India”, (Cambridge) p 20
40. W.Tran, p 207
- ۴۱۔ اریان، اناباسس بحوالہ اولف کیرو، دی پٹھان
42. W.Tran, p 207
- ۴۳۔ عبدالحی حبیبی، مذکور، ص: ۵۰
- ۴۴۔ ایضاً
45. Olaf Caroe, p 80
- ۴۶۔ دارالاشاعت بہار، ۱۹۳۴، ”تاریخ سیستان“، (تہران) ص: ۶۳
- ۴۷۔ ایضاً
48. Olaf Caroe, p 111
- ۴۹۔ عبدالحی حبیبی، مذکور، ص: ۶۴
50. Mac. Govern, W, 1939, " The Early Empire of Central Asia", Chapel Hill), p 111
- ۵۱۔ ایضاً، ص: ۱۲۰
- ۵۲۔ عبدالحی حبیبی، مذکور، ص: ۷۰
53. Rawland. B. 1938. " The wall painting of India, Central Asia and Cylon (Bostan), p 175

54. MacGovern. W. p 152
55. Rosenfield. J, 1967. " The Dynastic arts of kushans ".(Barkelay and Los Angeles) p:175
56. Ibid, p:123
- ۵۷۔ عبد اللہ رازی، مذکور، ص: ۲۷-۲۸
- ۵۸۔ معجم البلدان ۵-۳۲۲
- ۵۹۔ ایضاً
- ۶۰۔ سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، ج ۱، ص: ۵۷-۵۸ مطبع ثنائی لکھنؤ
- ۶۱۔ ایضاً
- ۶۲۔ سید سلیمان ندوی، مذکور، ج ۱، ص: ۷۰-۶۹
- ۶۳۔ دائرة المعارف الاسلامیہ، اردو، ج ۱۳، ص: ۵۰ دانش گاہ پنجاب، لاہور
- ۶۴۔ عماد الدین (م-۷۳۲ھ)، "المختصر فی اخبار البشر" ج ۱، ص: ۹۹، مطبعہ حسینیہ مصر، سطن
- ۶۵۔ ابن قتیبة، "المعارف"، (م-۲۷۶ھ) ج ۱، ص: ۲۷، الطبعة الثانية، الہیثمیہ مصریہ العامة للکتاب، قاہرہ، ۱۹۹۲ء
- ۶۶۔ ابن جریر الطبری (م-۳۱۰ھ) تاریخ الرسل والملوک "صلة ابن سعد قرطبی "تاریخ الطبری" (م-۳۶۹ھ) ج ۱، ص: ۲۰۴ طبعہ ثانیہ ۱۳۸۷ھ دار التراث بیروت
- ۶۷۔ ابن قتیبة، "المعارف"، مذکور، ج ۱، ص: ۲۰۷
- ۶۸۔ ابن الجوزی (م-۵۹۷ھ)، "المنتظم فی تاریخ الامم" ج ۱، ص: ۲۵۸ دار الکتب بیروت، ۱۴۱۲ھ
- ۶۹۔ ابن جریر الطبری "تاریخ الرسل والملوک"، مذکور، ج ۱، ص: ۲۰۶
- ۷۰۔ ایضاً، ج ۱، ص: ۲۰۷
- ۷۱۔ ابن جریر طبری، "تاریخ الرسل والملوک" مذکور، اردو-ج ۱، ص: ۱۴۴
- ۷۲۔ ایضاً، ج ۱، ص: ۲۱۱
- ۷۳۔ جواد علی المفصل فی تاریخ العرب"، ج ۲، ص: ۲۶ طبع چہارم دار الساقی ۱۴۲۲ھ
- ۷۴۔ عبد الملك بن بشام (م-۲۱۳ھ)، "سيرة النبوة لابن بشام" ج ۱، ص: ۴ طبعہ ثانیہ، مکتبہ و مطبع مصطفی البابی، مصر ۱۳۷۵ھ
- ۷۵۔ ایضاً، ص: ۶
- ۷۶۔ ابن قتیبة "المعارف"، مذکور، ج ۱، ص: ۶۳
- ۷۷۔ محمد بن اسماعیل بن مغیره البخاری (م-۲۵۶)، "الصحيح البخاری"، ج ۵، ص: ۴۴ مطبع دار طوق النجاة ۱۴۲۲

- ۷۸۔ محمد بن عيسى بن سورة بن موسى بن الضحاك الترمذی (م۔ ۲۷۹ھ)، "سنن ترمذی"، ج ۵، ص: ۵۴۵ طبعه ثانيه، مكتبه و مطبع مصطفى البابي، مصر ۱۳۷۵ھ
- ۷۹۔ دائرة المعارف الاسلاميه، اردو، ج ۱۹، ص: ۸۷۸ دانش گاه پنجاب، لاہور
- ۸۰۔ ايضاً، ۱۱

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (<http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/>).